بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مولوی عبدالرحمٰن سعید، سعید صدیقی، پرسوں قائد ملت کے اخباری معتمد رہے۔ نواب صاحب کی زندگی میں "لسان الامت" کے نام سے ۲۴ صفحات پر مشتمل ایک مکمل سوانح حیات تحریر فرمائی گویا دریا کو کوزے میں بند کر دیا۔ قائد ملت پر ان کی زندگی میں یہ پہلی کتاب ہے۔ جو دستاویزی حیثیت کی حامل ہے۔

نذیر احمد

لسان الامت

از
جناب مولنا سعید صدیقی صاحب بی اے

لسان الامت

ہندوستان اور اس کے دیگر حصص میں مسلمانوں کے عہد حکومت کی تاریخ مختلف نقاط نظر سے گو شاندار رہی، لیکن اس کے نتائج کا سلبی پہلو اس حیثیت سے قابل عبرت ہے کہ مسلمانان ہند کا ماضی ان کی تنظیم اور شیرازہ بندی کے ابواب کا حامل نہیں ہے۔ نشۂ حکومت نے ارباب سلطنت کو عاقبت بینی کا موقعہ نہیں دیا چنانچہ اس وقت ملت کی تعدادی اقلیت اور معاش کے مختلف ذرائع پر قبضہ و تصرف کے مسائل کسی ذہن میں پیدا نہیں ہوئے جہاں تک اجتماعی حیثیت سے مسلمانوں کے استحکام و استقرار کا تعلق ہے سب سے پہلے یہ خیال خاندان مغلیہ کے نامور تاجدار اور اسلام کے سچے درد مند حضرت عالمگیر رحمتہ اللہ علیہ کے ذہن میں پیدا ہوا لیکن اورنگ حکومت کے لئے بھائیوں کی رقیبانہ کشمکش اور مہمات

سلطنت کی گھتیوں نے اس مردِ حق آگاہ کو بھی ملت اسلامیہ کی خاطر خواہ خدمت کا موقعہ نہیں دیا حتی کہ ۱۸۵۷ء کے قیامت خیز ہنگامہ کے بعد مسلمانانِ ہند نے اپنی اجتماعی حیثیت کو خطرات سے دوچار دیکھا اور پہلی دفعہ عام طور پر ان میں اپنی بے بسی کا شعور پیدا ہوا اور نتیجتہً شیرازہ بندی کی ضرورت محسوس کی گئی چنانچہ شمالی ہند کی تاریخ میں سر سید احمد خاں مرحوم کی ساری زندگی ان ہی کوششوں کی نذر ہوئی اور ہندوستان میں جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے حکومت کی جگہ قیادت نے حاصل کر لی۔

سرزمین دکن میں بھی مسلمان فاتح کی حیثیت سے آئے اور عرصہ تک انھوں نے اپنے لئے کوئی خطرہ محسوس نہیں کیا لیکن بہمنی سلطنت کے قیام کے بعد مفکرین نے تعدادی اقلیت کے عواقب کو محسوس کیا چنانچہ بانیانِ سلطنت امرائے صدہ اور چند صوفیائے کرام جن کی اخلاقی اور روحانی تائید تاسیس سلطنت میں شامل تھی اس احساس کے قائد تھے چنانچہ حضرت شیخ سراج جنیدی رح اور حضرت خواجہ بندہ نواز رح پہلے صوفی ہیں جنھوں نے مسلمانوں کی قلت اور بے مائگی محسوس کی اور حتی المقدور ان کی بقا اور استحکام میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا لیکن زمانۂ مابعد میں اس تصور کی اہمیت محسوس کرنے میں با اقتدار مسلمانوں نے بہت کم ذہنی بصیرت کو استعمال کیا جس کا ردِ عمل عصر حاضر کے مسلمانوں کی حیات اجتماعی ان کے حاکمانہ اقتدار و قوت کو متاثر کر رہا ہے۔

حق کے مقابلہ میں باطل کی ستیزہ کاری قدرت کا ازلی قانون ہے

لیکن دردناک سماں تو اس وقت کا ہوتا ہے جب کہ افراد ملت غفلت شعاری اور باہمی افتراق و تشتت کے باعث اس مقدس منصب کی اپنے ہاتھوں توہین کرتے ہیں جس پر وہ منجانب اللہ مامور ہیں ایسے نازک وقت میں غیرت حق کو جنبش ہوتی ہے اور ایک مرد مجاہد منصبِ قیادت پر فائز ہو کر ملت کی خدمت انجام دینے کے لئے سربکف میدان میں آجاتا ہے۔ ملت اسلامیہ دکن کی گراں خوابی اور سیاسی انقلابات سے ان کی بیگانگی ہندوستان کے طول و عرض میں ضرب المثل تھی۔ ملت بیضاء کو ٹکڑوں ٹکڑوں میں بانٹا جا رہا تھا کہ امرائے دکن کے ممتاز طبقہ سے ایک دردمند امیر ابن امیر نواب بہادر یار جنگ بہادر ایداللہ و نصرہ کو خدا نے اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کے لئے کھڑا کر دیا کسے خبر تھی کہ ایک ابن امیر جسے امارت نے اپنی آغوش میں پرورش کیا ہو عیش و عشرت کے گہوارہ میں ناز و نعم سے پالا ہو، جس نے راحت کے سوا کلفت کی صورت نہ دیکھی ہو جس نے آنکھیں کھول کر دولت کی جھنکار میں ہوش سنبھالے ہوں اُسے ایک دن سیاست کی سنجیدہ اور خشک دنیا میں حیدرآباد کے محدود رقبہ میں نہیں ہندوستان کی فضائے بسیط میں منصب قیادت کے ذمہ دارانہ بار گراں کو سنبھالنا ہے جہاں گھر کی نرم و گرم سیج کو چھوڑ کر وادی پرخار میں برہنہ پا قدم دھرنا ہوگا۔ جہاں صبر و تحمل کے کڑے امتحان دینے ہونگے خدمت کے صلہ میں لومۃ لائم اور تلخ و تند آوازے سننے پڑینگے بہر حال۔ ان صفحات

میں اسی اجمال کی تفصیل پر روشنی ڈالتے ہوئے قائد ملت کے حالات زندگی نہایت اختصار کیساتھ پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جاتی ہے جو یقین ہے کہ قارئین کے لئے سبق آموز بھی ہونگے اور قابل تقلید بھی۔

حالات زندگی

درانی نسل کے خاص پٹھان جن کو عرف عام میں پنی پٹھان بھی کہا جاتا ہے لودھی اور سوری خاندان کے عہد حکومت میں افغانستان سے نکلکر سرزمین ہند میں داخل ہوئے چونکہ پٹھانوں کی یہ جماعت بارہ قبائل پر مشتمل تھی اس لئے ہندوستان کے جن حصوں میں یہ آباد ہوئے۔ بارہ بستی کے نام سے مشہور ہیں۔ اس قسم کی بستیاں صوبہ بہار اور جے پور میں آباد ہوئیں۔ ریاست جے پور کے پٹھانوں کا تعلق ہنڈوزئی قبیلہ سے تھا جن میں سے اکثر عقیدۃً اہل سنت و الجماعت اور بعض مہدوی تھے۔ سبے پوری قبائل کا ایک گروہ جو دونوں قسم کے فرقوں پر مشتمل تھا نواب میر نظام علیخان (نظام الملک آصفجاہ ثانی) کے عہد میں بمقام حیدرآباد وارد ہوا۔ پیشہ کے اعتبار سے یہ گروہ تاجر تھا جس کے تمام افراد نیل کے رنگ اور کپڑے کی کامیاب تجارت کے باعث بڑی با عزت زندگی بسر کرتے تھے۔

سلسلۂ نسب

نواب بہادر یار جنگ بہادر کے جد اعلیٰ مہدوی گروہ کے ایک مرتاض بزرگ دولت خاں جو بعد میں نواب دولت خان ہوئے بارہویں صدی ہجری کے اواخر میں ریاست جے پور سے ایک تجارتی قافلہ کے ساتھ حیدرآباد تشریف لائے۔ آپ بھی کپڑوں اور نیل کے رنگ کی تجارت کرتے تھے۔ نواب دولت خاں مذہبًا ایک مضبوط عقیدہ بزرگ تھے جن کے حالات زندگی میں ایمان راسخ کی عجیب و غریب مثالیں ملتی ہیں۔ پیشہ کے اعتبار سے گو آپ تاجر رہے لیکن نسلاً سپاہی تھے، چنانچہ اپنے سپاہیانہ اوصاف کی بناء پر نواب نظام علیخان کے دربار میں رسائی پائی اور آپ کو جمعیت رکھنے کا اعزاز نصیب ہوا جس کے صلہ میں بالاگھاٹ کے نیچے صوبہ برار میں تقریبًا (۳½) یا (۴) لاکھ کی جاگیریں عطا کی گئیں۔

نواب محمد دولت خاں کے تین فرزند:۔

(۱) محمد نصیب خاں۔
(۲) محمد ماندور خاں (نصیب یار جنگ اول)
(۳) محمد بہادر خاں تھے۔

نواب ناصر الدولہ بہادر کے عہد میں نواب محمد نصیب خاں کو جانشینی

وفادارانہ خدمات کے صلہ میں منصب ہفت ہزاری سرفراز ہوا۔

محمد نصیب خاں اور ان کے بھائی محمد نامدار خاں لاولد تھے لیکن تیسرے بھائی محمد بہادر خاں کے فرزند محمد دولت خاں (نصیب یاور جنگ ثانی) ہوئے ان کے فرزند محمد نصیب خاں (نصیب یاور جنگ ثالث) تھے جن کے تین فرزند :۔

(۱) محمد بہادر خاں (نواب بہادر یار جنگ بہادر)

(۲) نواب محمد نامدار خاں

(۳) نواب محمد دولت خاں (بی۔ اے۔ ال، ال بی) ہیں۔

دینداری، فیاضی اور شجاعت کے علاوہ تمول بھی اس خاندان کی ممتاز خصوصیات میں سے ہے، چنانچہ نواب نصیب یاور جنگ ثانی نے منقولہ و غیر منقولہ جائداد، غیر مسکوک، چاندی اور سونے کے علاوہ (۹۵) لاکھ روپیہ نقد ترکہ میں پایا تھا۔

ولادت

نواب بہادر یار جنگ بہادر بتاریخ ۲۰ر ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ م ۵ر فروری ۱۹۰۵ء بمقام حیدرآباد تولد ہوئے۔ اپنی پیدائش کے (۸) روز بعد آغوش مادر سے محروم ہوگئے۔ اس وقت سے چودہ سال کی عمر تک پرورش اور تربیت نانی صاحبہ کے ذمہ رہی۔ مرحومہ ایک باخدا اور بڑی دیندار خاتون تھیں، تلاوت قرآن مجید، ملی اور قومی معاملات

سے دلچسپی اور اخبار بینی آپ کی وہ ممتاز صفات تھیں جن سے نواب صاحب کو بہرۂ وافر ملا تھا نواب صاحب اکثر فرمایا کرتے ہیں :۔

"جو کچھ میرے اندر ہے وہ سب ان ہی
چودہ سال کی حاصل کردہ کمائی ہے"

تعلیم

تحتانی تعلیم مدرسہ عالیہ میں حاصل کی۔ ثانوی اور فوقانی تعلیم کے لئے آپ مفید الانام، آل سینٹس ہائی اسکول اور پھر شہر کی مشہور و معروف درسگاہ دارالعلوم میں دو سال تک زیر تعلیم رہے، میٹرک کے امتحان کی تکمیل بھی نہ ہونے پائی تھی کہ آپ کو بعض ناگزیر حالات کی بنا پر تعلیم ترک کرنی پڑی اور اس کے بعد پھر کسی سرکاری مدرسہ میں اس سلسلہ کو جاری رکھنے کا موقعہ نہ ملا البتہ چودہ سال کی عمر سے آپ علامہ حضرت شمسی مرحوم کی خدمت میں حاضر رہے جن سے عربی اور فارسی کے متداول علوم کی تحصیل کی تفسیر، حدیث، فقہ اور ادب کی معیاری کتابوں کا بالاستیعاب مطالعہ کیا۔ اسی زمانہ سے آپ میں مطالعہ کتب کا شوق جنون کی حد تک پہنچ چکا تھا۔ روزانہ ڈھائی سو صفحات کا مطالعہ معمول ہوگیا تھا۔ ہر مہینہ گھر کے کتب خانہ میں بیسوں نئی کتابوں کا اضافہ ضروری سمجھا جاتا تھا چودہ سال کی عمر سے ابتک یہ سلسلہ برابر جاری ہے اور آپ کا کتب خانہ عربی، فارسی، اردو اور انگریزی کی [illegible]

گراں قیمت اور مقبول عام تصنیف ہے گو مختصر لیکن جامع خزینہ ہے۔

والد کی وفات

نواب نصیب خاں (نصیب یاور جنگ ثالث) (۴۸) سال کی عمر میں قلب کی حرکت بند ہو جانے سے نجات پا گئے۔ ایک ایسے تجربہ کار نوجوان کے لئے جس نے مشکل ہی سے اٹھارویں سال میں قدم رکھا ہو والد کا سانحہ ارتحال ہو جانے خود مصیبت عظمیٰ ہے لیکن جاگیر اور جائداد کے وجوہ نے اس مصیبت کو دو آتشہ بنا دیا چنانچہ فرزند کلاں کی حیثیت سے ایک طرف گھر کے انتظام کا بار اور دوسری طرف جاگیر کے پیچیدہ معاملات اولین توجہ کے محتاج ہوگئے۔ جاگیر اور ساری جائداد (۴½) لاکھ روپیہ کے قرضہ کی وجہ سے زیر بار تھی۔ ان ناگفتہ بہ حالات نے اس دولتمند خاندان کے وارث کو انتہائی مالی پریشانیوں سے دوچار کر دیا۔ وراثت کی تنزع، قرض خواہوں کے پیہم تقاضے اور ملازمین جاگیر کے مسلسل مطالبے اس پر مستزاد تھے، بہر حال کم و بیش آٹھ سال کا طویل عرصہ ان ہی گتھیوں کے سلجھانے میں صرف ہوا اور اس طرح (۲۶) سال کی عمر تک نواب صاحب نے دنیا کو اس کی مختلف صورتوں میں دیکھ لیا۔ خداداد حسن قابلیت اور حکمت عملی سے تمام حالات پر قابو پا لیا اور جاگیری معاملات سے بڑی حد تک مطمئن ہو کر نواب صاحب نے چھوٹے پیمانے پر معاشرتی [illegible] شروع کیا۔ تا آنکہ ۱۹۲۹ء میں

مجلس جاگیرداران کے معتمد منتخب ہوئے اور سنہ ۱۹۳۰ء میں مجلس وضع قوانین میں مجلس جاگیرداران کی نمائندگی کے لئے بالاتفاق آپ کا انتخاب عمل میں آیا اور چار سال تک آپ نے باحسن الوجوہ نمائندگی کے فرائض انجام دیئے۔ مجلس وضع قوانین میں گو آپ کی خدمات منظر عام پر نہ آسکیں لیکن خداداد قانونی بصیرت اور بے نظیر خطابت کی وجہ سے حکومتی حلقہ میں آپ کی مقبولیت روز افزوں ہوتی گئی۔

سفر بلاد اسلامیہ

نواب صاحب فرماتے ہیں کہ ادائی قرضہ کے بعد پہلی دفعہ جب آپ جاگیر کی اکٹھی آمدنی حاصل کرنے کے قابل ہوئے تو اپنی رفیقہ حیات کے ساتھ حرمین شریفین کی زیارت کی سعادت حاصل کی سنہ ۱۹۳۰ء میں بعد فراغ حج و زیارت سارے بلاد اسلامیہ کا سفر فرمایا جن میں مصر، ایران، عراق، ترکی، فلسطین، شام، اور افغانستان قابل ذکر ہیں، ان میں سے ہر جگہ آپ کا مہمان حکومت کی حیثیت سے استقبال کیا گیا دوران سفر میں ہر مقام کے اکابر سے ملاقات فرمائی سیاسی اور معاشرتی مسائل پر عموماً اور عالم اسلام کے اجتماعی امور پر خصوصاً ترکی مصر اور حجاز کے مشاہیر سے سیر حاصل گفتگو فرمائی۔ نواب صاحب کی اصابت رائے اور قوت بیان سے ترکی اور مصر کے اکابر نے بہت اچھا اثر قبول کیا مقامی ممتاز جرائد نے آپ کی نسبت اداریئے قلمبند کئے، علمی سیاسی

اور معاشرتی مسائل پر آپ کے نقاط نظر کی اشاعت کی گئی۔ سفر سے مراجعت کے بعد اہم بلادِ ہند کا بھی سفر فرمایا۔ دہلی کے دوران قیام میں خواجہ حسن نظامی صاحب نے ابن بطوطۂ ہند کے لقب سے اہل دہلی سے آپ کا تعارف کرایا اور وہاں آپ نے تقریروں کے ذریعہ تاثرات سفر بیان فرمائے اور بالآخر اپنے وطن مالوف حیدرآباد میں واپس تشریف لائے۔ سنہ ۱۹۳۳ء میں جب مجلس بلدیہ کا قیام عمل میں آیا تو ابتداً آپ رکن اور بعد ازاں مجلس کے نائب صدر منتخب ہوئے اس حیثیت سے آپ کو خدمت عوام کے بہت زیادہ مواقع حاصل ہوتے رہے اور شہر میں آپ کی قوت عمل کی ان گنت نظیریں قائم ہو گئیں، نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کے ہر ادارہ میں آپ کی طلب بڑھنے لگی۔ تعلیمی مجالس، معاشرتی انجمنوں، سیاسی اداروں اور موقتی جلسوں میں خواہ وہ سرکاری ہوں یا غیر سرکاری نواب صاحب کی کسی نہ کسی ذمہ دارانہ حیثیت میں شرکت ناگزیر سمجھی جانے لگی اور ملک کے ہر مکتب خیال میں یکساں اعزاز حاصل ہوا۔ مقبولیت عام کی یہ وہ سند امتیاز تھی جس کے حصول کی تمنا ہر سینہ میں بے چین ہے لیکن بہت کم کسی کو حاصل ہوتی ہے۔

نواب صاحب بحیثیت خطیب

آل انڈیا مسلم لیگ لاہور کے سالانہ اجلاس کی آخری

نشست ہے، ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے مسلمان جمع ہیں، پنجاب کے پرجوش امیر و غریب، جوان، بوڑھے، طالب علم اور اہل علم سامعین کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگے ہوئے ہیں۔ قرارداد پاکستان منظور ہو چکی ہے، خاکساروں کی نسبت لیگ کی تجویز نے مجاہدین پنجاب کے قلوب کو جوش و خروش سے لبریز کر دیا ہے، شب کے دس بج چکے ہیں ایسے میں لیگ کے صدر محترم اور ملت اسلامیہ ہند کے قائد اعظم کی ایما سے نواب بہادر یار جنگ بہادر آف حیدرآباد، آل انڈیا اسٹیج سے تقریر کیلئے کھڑے ہوتے ہیں۔ جمہوریت کے عنوان پر زبان سے دو چار جملے بھی ادا نہ ہوئے تھے کہ سامعین پر مقرر کی خطابت کا جادو چل گیا۔ عوام کی زبانوں پر شور تحسین بلند تھا۔ خواص پر عالم وجد طاری تھا۔ سوا گھنٹہ کی دلآویز اور پرمغز تقریر کے بعد قائد اعظم نے اختتامی تقریر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا "نواب بہادر یار جنگ بہادر کی تقریر کے بعد کسی اور شخص کا کچھ بولنا بہت بڑی غلطی ہے"۔ جس خطابت کی یہ انتہا ہے اس کی داستان آغاز بھی سن لیجئے۔

بچپن ہی سے آپ کو فن تقریر سے بڑی دلچسپی تھی۔ تقریر کی جانب طبعی رجحان کا اس سے زیادہ اور کیا ثبوت مل سکتا ہے کہ مقررین سے آپ گہرے تعلق خاطر کا اظہار کرتے اور ان کو رشک کی نگاہوں سے دیکھا کرتے تھے۔ پندرہ سال کی عمر سے تقریر کی مشق شروع کی اور بہت ہی قلیل عرصہ میں اس جوہر خداداد کی نشو و نما

ہوئی اور رفتہ رفتہ میدانِ نمود کی جستجو ہونے لگی۔ آج سے
تقریباً بیس سال قبل کا یہ وہ زمانہ تھا جبکہ حیدرآباد میں وسیع
پیمانہ پر مجالس میلادالنبیؐ منعقد ہوا کرتی تھیں۔ ربیع الاول اور
ربیع الثانی کے مہینوں میں شہر کے گوشے گوشے میں مجالس
بڑے تزک و احتشام کے ساتھ قائم ہوتیں جن میں فرزندانِ توحید
جوق در جوق ہزارہا کی تعداد میں والہانہ جوش عقیدت کے ساتھ شرکت
کی سعادت حاصل کرتے تھے۔ مولانا مناظر احسن گیلانی، حکیم مولانا
مقصود علیخاں اس زمانہ میں اپنے علم و فضل کے ساتھ ممتاز خطیب
و مقرر شمار کئے جاتے تھے۔ نواب صاحب کو مظاہرۂ کمال کیلئے
اس سے بہتر کوئی اور میدان ہاتھ نہ آسکتا تھا چنانچہ آپ نے پہلی
دفعہ بمقام لال بازار عازہ میلادالنبیؐ کے ایک بہت بڑے جلسہ کو مخاطب
کیا جس میں حیدرآباد کی خلقت ہزارہا کی تعداد میں جمع تھی۔ راقم
سطور کا [illegible] ایک [illegible] اسکول کے گمنام طالب علم کی حیثیت سے
جلسہ میں شریک تھا۔ نواب اکبر یار جنگ کی تقریر کے بعد نوعمر
محمد بہادر خاں نام کے ایک بلند و بالا، سرخ و سفید، قوی تنومند
خوش رو و خوش لباس نوجوان، تختِ خطابت پر ایستادہ ہو کر
آیۂ ان کنتم تحبون اللہ کی توضیح و تفسیر میں گل افشانی فرمانے
لگے۔ انداز بیان، الفاظ کا دروبست، ترکیب اور بندش کی چستی
معانی اور مطالب کی فراوانی صاف بتلا رہی تھی کہ کوئی صاحب

علم اور کہنہ مشق مقرر حاضرین کو قرآن مقدس کا درس دے رہا ہے۔ یہ
پہلی تقریر نواب صاحب کی اعجاز بیانی کا اشتہار تھی۔ اہل شہر
کا ذوق سماعت بھی کافی بلند ہو چکا تھا۔ پھر کیا تھا کہ ہاتھوں ہاتھ نواب
صاحب کا استقبال کیا گیا۔ ایک، دو اور تین مسلسل کئی جلسوں میں آپ
کی تقریریں ہونے لگیں۔ ہر نقش ثانی نقش اول سے بہتر ثابت
ہوتا گیا۔ زبانِ خلق نے آپ کو "لسان الامت" کے نام سے
یاد کیا۔ نہ معلوم کس زبان فیض ترجمان نے پہلی دفعہ یہ خطاب عطا کیا تھا
کہ اس کی معنویت صد فیصد پوری ہوئی اور نواب صاحب ہی کی
زبان آج ملت اسلامیہ دکن کی طرف سے بول رہی ہے اور ان
کا ہر بول دکن کے لاکھوں مسلمانوں کی ترجمانی کر رہا ہے سچ ہے ؎

این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

نواب صاحب کی تقریر کے صوری و معنوی محاسن نے عوام کے
قلوب کو مسحور کر لیا تھا۔ اب شہر کا ہر وہ جلسہ نامکمل سمجھا جاتا تھا
جس میں نواب صاحب بہ حیثیت مقرر شریک نہ ہوں اسی زمانہ
کا ذکر ہے کہ وکٹوری پلے گراؤنڈ میں میلادالنبیؐ کا عظیم الشان جلسہ
منعقد ہوا کرتا تھا۔ بیرون دکن کے ممتاز علماء ہر سال خصوصیت
کیساتھ مدعو کئے جاتے تھے، اور اعلیٰحضرت بندگانعالی بھی بہ نفس نفیس
اس جلسہ میں شرکت کی سعادت حاصل فرماتے۔ ایک سال اعلیٰحضرت

بندگانعالی کی موجودگی میں نواب صاحب نے حیاتِ حضور اکرمؐ کی جامعیت پر بصیرت افروز اور ایمان آفریں تقریر فرمائی جس کے ہر جملہ پر حاضرین سر دھن رہے تھے اہلِ دل اور صاحبانِ ذوق پر سکتہ طاری تھا اور خود اعلیٰحضرت تقریر سے برابر متاثر ہو رہے تھے اس اثر آفریں تقریر کے صلہ میں دوسرے ہی دن بارگاہ خسروی سے "بہادر یار جنگ" کا خطاب سرفراز ہوا، جو آپ کی بے نظیر خطابت کی سندِ امتیاز اور مہرِ تصدیق ہے۔

ایک عرصہ تک میلادی جلسے آپ کی تقریروں کی جولانگاہ بنے رہے۔ بعد میں جوں جوں مقبولیت بڑھتی گئی آپ کو علمی مجالس میں بھی تقریریں کرنے کا موقع ملا، چنانچہ ایجوکیشنل کانفرنس کے منتخب مجمع میں جو زیادہ تر اہلِ علم و ادب پر مشتمل ہوا کرتا ہے آپ نے آج سے آٹھ دس سال قبل جو بلیغ تقریر ارشاد فرمائی تھی اس کی یاد اب تک اہلِ ذوق کے حافظہ میں محفوظ ہے اس تقریر نے آپ کو ملک کا ہمہ گیر مقرر ثابت کیا۔ سنجیدہ اور علمی حلقوں میں آپ کا وقار قائم ہو گیا۔ کچھ عرصہ تک مذہبی اور علمی تقاریر کے سلسلے اسی طرح عرصہ تک جاری رہے۔ اسی زمانہ میں برطانوی ہند کی مرکزی مجلس مقننہ میں ساردا بل پیش ہوا۔ مسلم حلقوں میں عموماً اور سناتنی ہندو حلقوں میں خصوصاً اس بل کے خلاف احتجاج شروع ہوا۔ حیدرآباد میں بھی اس کے موافق اور مخالف جلسے منعقد ہوئے۔ چنانچہ ہندو

مسلمانوں کا متحدہ اور نمائندہ جلسہ نواب میر فیاض علیخاں کی کوٹھی میں منعقد ہوا جس میں نواب صاحب نے ساردا بل کی مخالفت میں معرکۃ الآرا تقریر فرمائی چونکہ یہ اپنی نوعیت کی پہلی تقریر تھی جو ہندوؤں اور مسلمانوں کے عام مسلک کی حمایت میں کی گئی تھی اس لئے دونوں قوموں کے افراد میں نواب صاحب کی مقبولیت ملک کے محفوظ اور غیر متاثر ماحول میں روز افزوں ہوتی رہی۔

بلاد اسلامیہ کے سفر سے مراجعت کے بعد نواب صاحب نے حجاز، ایران، ترکی، اور افغانستان پر مسلسل چار تقریروں کے ذریعہ تاثرات سفر بیان کئے۔ ان تقاریر سے ہزارہا سامعین نے استفادہ کیا۔ تقاریر جس طرح خطابت کا بہترین نمونہ تھیں اسی طرح دلچسپ معلومات کا گنجینہ بھی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سفر کے بعد نواب صاحب کی بصیرت اور آگہی کے حدود وسیع تر ہو گئے اور عالم اسلام کا مستقبل خصوصیت کے ساتھ آپ کے فکر و تدبر کا نقطۂ منتہی بن گیا۔

اسی زمانہ سے مسلمانانِ دکن کی غیر شعوری اور اُن کی عدم تنظیم سے آپ نے دکھ محسوس کیا۔ برادرانِ ملت کی زندگی ایک مخصوص ڈگر پر گذر رہی تھی۔ نوجوان طبقہ میں جامعہ عثمانیہ کے قیام کی وجہ سے گو علم کی روشنی پھیل رہی تھی لیکن حصولِ علم کے بعد ان کا نصب العین حکومت کی ذمہ دارانہ خدمات اور ان کے ذریعہ تحصیل جاہ و دولت کے سوا کچھ نہ تھا اہلِ ثروت اپنے آباد اجداد کی میراث سے لطف اندوزی میں مشغول تھے

متوسط طبقہ کو [illegible] حاجات سے فرصت نہ تھی۔ نام نہاد اہلِ دین ہمہ تن فروغ تجارت کی جانب مائل تھے، محتاط صاحبانِ بصیرت کا وعظ اوران کی صدائے تذکیر چند نفوس کے حلقہ تک محدود تھی۔ حکومت کے حلقہ بگوش اپنی ذاتی اغراض کے سوا ملک وملت کے مفاد کی اہمیت کو سمجھنے سے قاصر تھے۔ ملک کا عام ماحول جمود وغفلت کا آئینہ دار تھا۔ اس طلسم ہوشربا کو توڑنے میں نواب صاحب نے نہایت آتشیں خطابت استعمال کیا اور عرصہ دراز تک مسلمانان دکن کی نفسیات میں تبدیلی کی ان تھک کوشش کی۔ ۱۹۲۶ء میں حکیم مولوی مقصود علیخان اور محمود نواز خاں صاحب کی کوشش سے مسلمانان حیدرآباد کے سارے فرقوں کو ایک مرکز پر جمع کرنے کی کوشش کی گئی اور مجلس اتحاد المسلمین کی بنا ڈالی گئی تو نواب صاحب بھی نہ صرف اُن کے مشیر خاص بلکہ دست راست تھے۔ بہت ممکن تھا کہ اس مقبولیت کے [illegible] جو ملک کے ہر طبقہ میں قائم ہو چکی تھی نواب صاحب حکومت کا بڑے سے بڑا مقام حاصل فرماتے۔ لیکن فضائے بسیط میں پرواز کرنے والے شاہین کو کنج قفس کی پابندیاں مرغوب نہ تھیں۔ آپ کی عالی ظرفی نے گوارا نہ کیا کہ "ہمت مردانہ" جس کے "دست جنون" میں "جبریل" بھی "صید زبون" ہے کسی "لیستے رزق" کے حصول میں ضائع کردی جائے۔ جس سے پرواز میں کوتاہی آنے لگے۔ قدرت نے جس مرد دلیر کو [illegible] کے طوفانوں کا مقابلہ کرنے کے لئے پیدا کیا ہو، ناممکن تھا کہ

راہِ حق کے سوا کسی مقصد غیر میں استعمال ہو سکیں۔

تبلیغ دین

موجودہ زمانہ میں مسلمانوں کے اسباب زوال پر غور کرتے ہوئے ہم اپنے انفرادی نقائص کا تو بڑی دیانت داری کے ساتھ جائزہ لیتے ہیں۔ لیکن اس محاسبہ میں اہم اجتماعی فروگذاشت کو پیش نظر نہیں رکھا جا کہ گذشتہ ڈھائی سو سال سے مسلمانوں نے ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر کی تعمیل میں کوئی اجتماعی نظام ترتیب نہیں د اور تبلیغ جیسے اہم فریضہ کو طاق نسیاں کی زینت بنا دیا۔ جس کے ناک عواقب سے آج ہم دوچار ہیں۔ اگر پابندی کیساتھ تبلیغ کے ف کو ادا کیا جاتا تو خود نواب صاحب کے ارشاد کے بموجب ہندوستان میں قلت وکثرت کا سوال پیدا نہ ہوتا۔

نواب بہادر یار جنگ بہادر کی ملی اور مذہبی خدمات میں سے اہم خدمت یہ ہے کہ آپ نے مسلسل دو تین برس تک تبلیغ کے ا فرائض انجام دیئے اور اس عرصہ مدت میں تقریباً (۱۰۰۰۰) غیر مسل کو اسلام سے مشرف کر کے خلود فی النار سے نجات دلائی۔ ابتدا مقدس فریضہ کے انصرام کیلئے مجلس تبلیغ کی تشکیل عمل میں آئی جو علماء اور سربرآوردہ اصحاب خیر پر مشتمل تھی ۱۹۲۷ء میں نواب صا نے اس مجلس کے نائب معتمد کی حیثیت سے اضلاع مرہٹواڑہ و تلنگا

اکثر مقامات کا دورہ پیدل اور بیل گاڑی کے ذریعہ کیا، اور ایک ایک دیہات میں پہنچ کر "لا اکراہ فی الدین" کے اصول کے مطابق غیر مسلموں کے سامنے اسلام کے محاسن پیش کئے۔ جن کی نیت اغراض سے پاک تھی اور بطیب خاطر تبدیل مذہب پر آمادہ تھے صرف انہی کو مشرف بہ اسلام کیا گیا۔ علاقہ مرہٹواڑہ میں جالنہ، گیورائی، بھوکردن اور تلنگانہ میں ورنگل، جنگاؤں، نلگنڈہ اور مریال گوڑہ میں تبلیغ کا کام الحمد اللہ نہایت کامیابی کے ساتھ انجام پایا۔

تبلیغ کے ذریعہ تبدیل مذہب اس قدر مشکل نہیں جتنا کہ نومسلمین کو فتنۂ ارتداد سے محفوظ رکھنے کا مسئلہ مشکل ہے۔ خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ مخالف قوتیں منظم سازش کے ساتھ مقابلہ پر آمادہ ہوں، نواب صاحب نے ان گنت مخالف حالات کے باوجود نومسلمین کے تالیف قلوب، ان کے لئے قیام مدارس، تیاری لباس، ذرائع معیشت کی فراہمی مبلغین اور مدرسین کے تقرر اور دوسری ممکنہ سہولتوں اور امداد کا انتظام فرمایا جن کا معائنہ کر کے کل ہند جمعیتہ تبلیغ کے معتمد عمومی مولنا غلام بھیک نیرنگ نے نظام تبلیغ کی باقاعدگی پر اظہار تشکر فرمایا کہ "کل ہند جمعیتہ تبلیغ کا نظام نہ تو اس قدر مستحکم ہے اور نہ اتنا کامیاب"۔

نومسلمین کی نگہداشت اور ان کی تعلیم و تربیت کے سارے انتظامات مجلس تبلیغ کے تحت انجام پا رہے ہیں۔ بعض دیہاتوں میں مدارس کا اطمینان بخش طریقہ پر مستحکم ہو چکا ہے۔ آئندہ کے لئے کار تبلیغ

کو مضبوط اساس پر قائم کرنے کا ایک مکمل اسکیم نواب صاحب کے زیر غور ہے امید ہے کہ عنقریب زیادہ استحکام کیا تھ اس اہم فریضہ کی تکمیل میں انشاء اللہ کام کا آغاز ہو جائیگا۔ پچھلے عرصہ میں تبلیغ کا جو کچھ کام انجام پایا اس پر ماہانہ سینکڑوں روپیہ کے مصارف عائد ہوئے جن کی پابجائی کے لئے مخیر متمولین نے نواب صاحب کی کما حقہٗ اعانت فرمائی، جزاہم اللہ فی الدارین خیرا۔ لیکن اس مرد مجاہد کی اچانک وفات نے ... مقدس منصوبہ ... کو تشنہ ... دیا۔

سیاسی خدمات

مسلمانوں میں احساس خودی اور شعور ملی کے بیدار کرنے میں نواب صاحب کی قوت عمل برابر کام کر رہی تھی لیکن ایک عرصہ سے من حیث القوم مسلمانوں کی نفسیات کا یہ عالم ہے کہ جب تک کسی خطرہ کا سامنا نہ ہو اپنی بیداری کا ثبوت نہیں دیا کرتے۔ زمانہ کے تغیر پذیر حالات سے متاثر ہو کر رسمی طور پر مسلمانوں میں بیداری کا احساس پیدا ہوتا ہے لیکن وقتی اور بڑی حد تک جذباتی ہونے کے باعث تعمیری کام کی تکمیل میں ہمیشہ رکاوٹ پیدا ہوتی رہتی ہے لیکن ان میں سب سے بڑی رکاوٹ باہمی افتراق رہا ہے جس نے ملت کے مفاد کو سخت صدمہ پہنچایا ہے جس کے مضر اثرات سے ہر وقت افراد ملت کو متنبہ کیا جاتا رہا۔ لیکن ہندوستان کی گذشتہ ربع صدی کی تاریخ شاہد ہے کہ ان جابی تدابیر کے مقابلہ میں سلبی ذرائع زیادہ مفید ثابت ہوتے رہے۔

ہندو اور مسلمانوں کے تعلقات میں تلخی کے باعث آگے دن برطانوی ہند کو جن مصائب کا سامنا کرنا پڑا ہے اس کی تفصیل اس قدر واضح ہے کہ یہاں اس کا اعادہ تحصیل حاصل ہے۔ مرور زمانہ کے ساتھ ان دو بڑی جماعتوں کے تعلقات تلخ تر ہوتے گئے۔ حتیٰ کہ صوبہ جاتی خود مختاری ملنے کے بعد کانگریس ہندو راج کے تصور کو عملی جامہ پہنانے کے خواب دیکھنے لگی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تعلقات کی تلخی عداوت میں تبدیل ہو گئی اور اس کے اثرات صرف برطانوی ہند تک محدود نہ رہے بلکہ دور دور پہنچنے لگے۔

ہری پورہ اجلاس کے بعد خصوصیت کے ساتھ کانگریس نے اپنے قدیم اصول کے خلاف ریاستی معاملات میں غیر آئینی مداخلت شروع کر دی۔ مختلف ریاستوں میں فسادات کے بیج بوئے۔ حکومت کے خلاف فرقہ وارانہ حکومت کا لالچ دلا کر ہنگامے برپا کئے۔ ہنگاموں کے ان جراثیم سے مملکت آصفیہ بھی محفوظ نہ رہ سکی اور سرزمین دکن کے ہندو مسلمانوں میں جو عرصہ دراز سے صلح و آشتی کے ساتھ زندگی بسر کر رہے تھے بیرونی مفسدہ پردازوں نے فرقہ وارانہ فساد کا بیج بو دیا۔ آریہ سماجی جماعت کو آلۂ کار بنا کر مذہبی آزادی کے پردے میں سیاسی اقتدار کے حصول کی کوشش کی جانے لگی۔ یہی وقت تھا جبکہ مسلمانوں کو اپنی رہنمائی کیلئے کسی مرکز کی تلاش ہوئی۔ چنانچہ اس موقع کو غنیمت سمجھ کر نواب صاحب نے چند مخلص معاونوں کو ساتھ لیکر اتحاد المسلمین کے قدیم ادارہ کی تجدید فرمائی جو عرصہ سے گمنامی کا شکار ہو چکا تھا۔

مجلس کی نشاۃ ثانیہ کا سال اول عام مسلمانوں میں احساس و شعور پیدا کرنے میں فی الجملہ کامیاب ثابت ہوا۔ جگہ جگہ اس کی شاخیں قائم ہوئیں۔ قصباتی اور ضلع واری مجالس کے قیام میں مسلمانوں نے عام طور پر دلچسپی کا اظہار کیا اس طرح تعمیری مقاصد کی پیش رفت کے لئے زمین ہموار ہو گئی اور غفلت و جمود کی جو یاس انگیز حالت مسلمانوں پر طاری تھی الحمد اللہ کہ وہ دور ہونے لگی۔

ملت اسلامیہ دکن کا مقبول عام قائد

قیام مجلس کے بعد نواب صاحب عوام میں امیر، جاگیردار، اور معزز سے زیادہ قائد کی حیثیت سے مقبول ہونے لگے۔ اس عرصہ میں حیدرآباد فرخندہ بنیاد میں پہلی دفعہ آریہ سماجی فتنہ انگیزیاں عمل کی قیامت خیز فرقہ وارانہ ہنگامہ کی شکل میں ظاہر ہوئیں۔ جس میں نواب صاحب کے دو نوجوان بھانجوں کی شہادت کا الم انگیز حادثہ وقوع میں آیا۔ جس نے مسلمانان حیدرآباد میں عموماً اور افغانوں کے طبقہ میں خصوصاً آتش انتقام بھڑکا دی۔ عرب، افغان اور دیگر مسلمانوں کے مسلح افراد ہزارہا کی تعداد میں جذبۂ انتقام کو سینہ میں لئے ہوئے قائد کے حکم کے منتظر تھے لیکن نواب صاحب نے کمال دانشمندی اور انتہائی صبر و تحمل کے ساتھ مسلمانوں کے برانگیختہ جذبات پر قابو پا لیا جس کا اعتراف خود حکومت نے اپنے اعلامیہ میں کیا ہے۔ ہنگامہ کے دوران میں ان

اس کے فرو ہو چکنے کے بعد بھی نواب صاحب نے عام مسلمانوں کی بڑی
خدمت انجام دی۔ ... کے مجروحین کی شفاخانہ میں عیادت فرمائی
اور ان کے متعلقین کی دلداری میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔

حیدرآباد میں فساد کے اس حادثہ نے مسلمانوں کی آنکھوں سے
غفلت کے پردے ہٹا دیئے اور انہوں نے اپنے قائد کی ہر آواز پر
لبیک کہی۔ ایسے وقت میں نواب صاحب پر دوگونہ فرائض کا بار
پڑا۔ ایک تعمیر خویش اور دوسرے مدافعت غیر۔ تنظیم اور تعمیر کا کام
مجلس اتحاد المسلمین کے ذریعہ جس قدر ممکن ہو سکا انجام پاتا رہا۔ لیکن
اغیار کی ریشہ دوانیوں کی مدافعت کا کام اپنی اہمیت کے اعتبار سے
خاص توجہ کا محتاج تھا کیونکہ ہندو جماعت نے ایک کھلے حریف
مقابل کی حیثیت سے مذہب و ریاست کے دو دھاری حربہ سے
اسلامی ریاست کی عدیم النظیر رواداری کو مجروح کرنا شروع کیا تھا۔
برطانوی ہند کے ایک ایک شہر میں یہ پروپیگنڈا کیا گیا کہ ریاست نظام
میں ہندو دھرم کو آزادی نصیب نہیں ہے اکثریتی قبیل کے بے سر و پا
الزامات کی اس کثرت کے ساتھ تشہیر کی گئی کہ برطانوی ہند کے مسلم اور
غیر مسلم سنجیدہ اکابر بھی آصفی مملکت کے ان مفروضہ افسانوں کو سنکر
متحیر تھے اور ہر نقطہ خیال کے جرائد میں حکومت کی تشدد آمیز پالیسی
پر اظہار افسوس کیا جانے لگا۔ لیکن اس ہولناک عمل کے خلاف
حکومت کی طرف سے جوابی کارروائی میں غیر معمولی تساہل برتا گیا

جوں جوں دشمن کا حملہ قوی ہوتا رہا حکومت اپنے خلاف رفع غلط
فہمی پر آمادگی کے بجائے سہنے لگی۔ ایسے موقعہ پر مسلمانان حیدرآباد نے اپنے
قلب میں بے چینی محسوس کی کیونکہ اسلامی مملکت کی حیثیت میں حکومت
آصفیہ کے خلاف جو افترا پردازی ہو رہی تھی وہ دراصل اس کے
مسلمان بادشاہ اور مسلمان رعایا کے خلاف کی جا رہی تھی اس لئے
افترا پردازی کے انسداد کا احساس مسلمانوں اور اس کی نمائندہ جماعت مجلس
اتحاد المسلمین اور اس کے قائد ہی کے دل میں پیدا ہو سکتا تھا چنانچہ
اسلامی حکومت کے خلاف اس غلط پروپیگنڈے کے انسداد کیلئے مجلس
کی جانب سے مولوی فضل حسین کی قیادت میں ایک وفد برطانوی ہند
کے دورہ پر روانہ کیا گیا اور مجلس کے قائد نواب بہادر یار جنگ بہادر نے
حیدرآباد میں ہندو ہنگامہ پروری کے اسباب کو بے نقاب کرنے
کیلئے بمقام الہ آباد مولانا ابوالکلام آزاد اور پنڈت جواہر لال
نہرو سے بالمشافہ گفتگو کی اور برملا کانگرس کے ان اہم مہروں پر واضح کر دیا
کہ حیدرآباد میں سیاسی اقتدار کے حصول کا جو کھیل کھیلا جا رہا ہے
بدنیتی کے سوا اس کی کوئی اور اساس نہیں ہے۔ نواب صاحب کے
اس بیان کی تصدیق کیلئے کانگرس کی طرف سے متعدد جاسوس تحقیق
حالات کیلئے حیدرآباد بھیجے گئے اور بالآخر آریہ سماجیوں کی بدنیتی
اور حیدرآبادی مسلمانوں کے مقابلہ میں اپنے محاذ کو جلد یا بدیر شکست خوردنی
سمجھ کر گاندھی جی نے حیدرآباد کی ستیاگرہ اور سول نافرمانی کو یکسر موقوف کر دیا۔

حیدرآباد کے لیے بیرون ملک نواب صاحب کی مساعی کامیاب
ہو رہی تھیں لیکن خود حکومت حیدرآباد نواب صاحب کے دردمندانہ
مشوروں کے مطابق عمل پیرائی میں متامل تھی۔ آریہ سماجی ادارے اپنی
معاندانہ کارروائیوں میں برابر مصروف تھے۔ شہر عافیت سوز اور امن
شکن ہنگاموں کا شکار ہوتا رہا لیکن حکومت نے مدافعت میں اپنے دست
آہنی کی قوت دکھلانے کے بجائے غیر معمولی شفقت سے دشمن کے دل
بڑھائے حتی کہ ان کی دھمکیوں سے متاثر ہوکر ایک سے زیادہ دفعہ
اصلاحات کی صورت میں مطالبات کی تکمیل کا وعدہ کرلیا اور عملاً ثابت
کردیا کہ حکومت آصفیہ کوئی اسلامی حکومت نہیں بلکہ ایک ایسی قومی حکومت
ہے جس کے نزدیک مسلم طبقہ سے زیادہ ہندو طبقہ کی خاطر منظور ہے۔
مسلمانوں کے قائد کی اور خود اپنی ذاتی حیثیت سے نواب صاحب نے
حکومت کے اس مسلک سے علانیہ شدید اختلاف کا اظہار کیا کیونکہ حکومت
اپنے اس عمل اور تصور سے اسلامی حکومت کے شش صد سالہ وقار کو صدمہ
پہنچا رہی تھی۔ نواب صاحب نے حکومت کے اس تصور کو بدلنے میں جو
ایثار اور قربانیاں کی ہیں دراصل وہی آپ کی سیاسی زندگی کا نچوڑ
اور قیادت کی عظمت اور فضیلت کا سرمایہ ہیں۔

عام طور پر ہندوؤں کے غیر ذمہ دارانہ مطالبۂ حکومت کو حق بجانب
قرار دینے میں ان کی تعدادی اکثریت کو دلیل میں پیش کیا جاتا ہے۔ نواب
صاحب نے تعدادی اکثریت اور قومیت پرستی کے خلاف مستقل جہاد

کی بنا ڈالی۔ تاریخی شواہد کی روشنی میں اکثریت کے زعم کو زعم باطل قرار
دیا۔ اور قومیت پرستی کا تجزیہ کرکے حامیان مسلک کی تہی دامنی کو
بے نقاب کیا۔

ہندو برادری شودر اور اچھوتوں کو شامل کرکے اپنی اکثریت
کا دعویٰ کرتی ہے۔ لیکن ہندوستان کی تاریخ کا سب سے پہلا ورق
اس حقیقت کی شہادت ادا کرسکتا ہے کہ اونچی ذات کے ہندوؤں نے
کبھی نیچ ذات کے ہندوؤں کو اپنی قوم کا عنصر تسلیم نہیں کیا بلکہ ان سے
معاشی اور معاشرتی حیثیت سے بالکل علحدگی اختیار کرلی۔ ان کو دین
اور علم کی نعمتوں سے حتی محروم کردیا گیا جس کی روداد تاریخ کے عمرانی
پہلو کی بڑی دردناک سرگذشت ہے۔

ہندوستان اور دکن میں اسلامی دورِ حکومت سے پیشتر اعلیٰ ذات
کے ہندوؤں نے نیچ ذاتوں کے مقابلہ میں استبداد کی دست برد
اور معاشرتی مظالم کی جو عبرتناک مثالیں پیش کی ہیں وہ تاریخ ہند کا
دردناک باب ہے۔ سلطنت بہمنی کے قیام سے پہلے راجگان دکن کے برہمن
مشیروں کی خود غرضانہ پالیسی نے رعایا کو اپنے پیدائشی حقوق سے محروم
کردیا تھا۔ آج ہندوستان میں سیاسی اقتدار حاصل کرکے اس ظالمانہ
مسلک کے مطابق پھر اسی حزبیہ کا اعادہ کرنا چاہتے ہیں جو وحشیانہ اور غیر
انسانی شہنشاہیت کی مکروہ ترین مثال ہے۔

نواب صاحب نے مختلف طریقوں سے ان حقائق کو حکومت

ارباب حل و عقد پر واضح کرنے کی کوشش کی۔ لیکن اب آپ کی ذات اور مجلس اتحاد المسلمین حریف کی حیثیت سے حکومت کی آنکھوں میں کھٹکنے لگی۔ ابتلا اور آزمائش کی کڑی منزل تھی جہاں بڑے بڑے قائدین کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں۔ لیکن مجلس کے قائد نواب بہادر یار جنگ بہادر نے اپنی ذاتی وجاہت، شخصی امتیازات، حکومت میں اپنی مقبولیت کو علانیہ خطرے میں دیکھکر قیادت مسلمین کا پورا پورا حق ادا کر دیا۔ تحریر، تقریر، گفتار کردار، اصابت وکالت غرض جد و جہد کا کوئی ذریعہ حقوق مسلم کی حفاظت میں ایسا نہ تھا جسے فراموش کر دیا گیا ہو۔

علم عمل سے پختہ ہوتا ہے اور دعوی امتحان سے ثابت ہوتا ہے۔ خدمت اسلام کے جس ولولے اور عزم کیساتھ نواب صاحب نے وادی پرخار میں قدم رکھا تھا وہاں کوئی ایسی شاہراہ نہیں تھی جو سیدھے منزل مقصود پر پہنچا دیتی۔ ترغیب و ترہیب، رسوائی، سر بازار اتہام و الزام، علوم اور کشتی پرخار گیا اندرون سے قائد کو گذرنا پڑتا ہے۔ اب صورت حال تو یہ تھی کہ قائد المسلمین کو بیک وقت کئی محاذ کا سامنا تھا ایک طرف نادان دوست اور دانا دشمن صف آرا تھے، دوسری طرف مسلح حریف اور دوست نما دشمن کے معاندانہ حملوں کا مقابلہ تھا۔ تیسری طرف حکومت کے آگے جو بہرحال اسلامی حکومت ہے روایاتی اطاعت کے ساتھ اپنے جائز حقوق کا مطالبہ پیش کرنا تھا جو بھی رہا جماعت کے نزدیک حیاتی حقوق اور اس کی ادائی کی ذمہ داری محسوس ہو رہی تھی

نواب صاحب نے انتہائی استقلال کے ساتھ اخلاص و پامردی کا ثبوت دیا۔ ایمان راسخ اور جہد مسلسل کے حصن حصین میں محصور ہو کر اس مرد مجاہد نے یکہ و تنہا سارے مصائب کا مقابلہ کیا جس کی حمایت پر نصرت حق کے سوا کوئی اور نظر نہیں آتا تھا۔

ملک کی سیاسی صورت حال کی پیچیدگی روز افزوں ہوتی گئی۔ مجلس اتحاد المسلمین اپنی مدافعتی حکمت عملی پر کاربند ہوتے ہوئے باوجود برادران وطن سے باعزت سمجھوتہ کے لئے بشرطیکہ احساس دردمندی کیساتھ طے کیا جائے۔ ہر وقت تیار تھی۔ ہندو مسلم گفتگوئے مفاہمت کی پہلی کوشش میر اکبر علیخان بیرسٹر نے کی۔ نواب صاحب اور نے اس کی دعوت کو قبول کیا۔ ہندو زعماء کے ساتھ مسلسل دو تین نشستوں میں شرائط مفاہمت تقریباً طے ہو چکے تھے اور متفقہ فیصلہ کی حیثیت سے حکومت کے سامنے پیش کئے جانے والے تھے کہ صدر اعظم سر اکبر حیدری نے آبان ۱۳۴۷ف کو مجلس اصلاحات کے تقرر کا اعلان فرمایا۔ اس اعلان نے باہمی مفاہمت کی نہ صرف قیمت گھٹا دی بلکہ خالص فرقہ وارانہ منافقت، تعصب اور منافرت کی آگ کو ہوا دیدی۔ مجلس اصلاحات میں اگرچہ حکومت کی جانب سے چار مسلم ارکان شامل کئے گئے تھے لیکن یہ مسلمانوں کے معتمد علیہ نہ تھے۔ ہندو مسلم دونوں جماعتوں نے علٰحدہ علٰحدہ حفاظت حقوق کیلئے مجلس میں اپنی اپنی تجاویز روانہ کیں۔ اسی اثنا میں قوم پرست طبقہ کے بعض افراد کی کوشش سے دوبارہ گفتگوئے مفاہمت کی سلسلہ

جنبانی شروع ہوئی۔ چنانچہ مسٹر زنگ راؤ نے محنت شاقہ کے بعد
اپنی جماعت کا خط اعتماد حاصل کر کے مسلمانوں کے مسلمہ قائد نواب بہادر
یار جنگ بہادر سے گفتگوئے مفاہمت شروع کی لیکن نوعیت
حکومت کے مسئلہ پر جانبین کا اصرار بالآخر انقطاع گفتگو پر منتج ہوا۔
جیسا کہ شائع شدہ مکتوبات سے ظاہر ہوتا ہے مسٹر زنگ راؤ کا مطالبہ
تھا کہ ذمہ دارانہ حکومت کو بعید نصب العین کی حیثیت سے تسلیم کر لیا
جائے لیکن نواب صاحب کو اس نقطہ پر کلام ہے کہ گفتگو کی پہلی منزل ہی
میں طے ہو چکا تھا کہ موجودہ طریق حکومت کی تبدیلی کا نہ تو کوئی مطالبہ
کیا جائیگا اور نہ مستقبل کے لئے کوئی شرط یا پابندی عاید ہو سکیگی۔
اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ نواب صاحب نے اپنی قیادت کی
کسی منزل پر بھی مسلمانوں کے اقتدار کو متاثر ہونے نہ دیا بلکہ کامل
استقامت کے ساتھ اس کی حفاظت کی۔ انقطاع گفتگو کے بعد
آریہ سماجی فتنے آندھی کی طرح اٹھنے لگے۔ تنظیم و قوت کے مظاہرے
سیلاب کی طرح منظر عام پر آنے لگے۔ مہا سبھائی اور ہندو سیول
لبرٹیز اداروں کیساتھ اسٹیٹ کانگریس بھی وجود میں آئی اور ان غلیظ
فرقہ وار اداروں کے دوش بدوش اس نام نہاد قومی جماعت
نے گفتگوئے مفاہمت کے دوران میں ستیہ گرہ شروع کر دی
جامعہ کی پرسکون علمی فضا میں جہاں ہونہار طلباء کو فرقہ وارانہ سیاسیات
کے ہنگامہ سے محفوظ رکھنے کی کوشش کیجاتی ہے بالارادہ ہندو طلباء

کو اکسا کر بندے ماترم کا فتنہ کھڑا کیا گیا۔ سول نافرمانی کی مہم آغاز کی گئی
ہنگاموں کا بازار گرم ہونے لگا۔ بم پھٹے۔ بیسوں بندگان خدا کو ناحق
ضرر پہنچایا گیا تاکہ حکومت متاثر ہو کر فوراً ان کے نام پروانہ حریت
تحریر کر دے۔ اس کے برخلاف حکومت کے ساتھ مسلم طبقہ کی روش
اس کے قائد کی بلند حوصلگی اور عالی ظرفی کی حیرتناک مثال تھی، مجلس
اتحاد المسلمین کی مرکزیت اپنے اور پرائے سب کے نزدیک مسلم ہو چکی
تھی۔ برطانوی ہند سے پیہم رضاکارانہ خدمات پیش کی جا رہی تھیں
نواب صاحب کے لیے بہت آسان تھا کہ حکومت کو پریشانیوں میں اضافہ
کرنے کے لئے راست عمل کا ایک متوازی محاذ تیار کر دیا جائے
لیکن حکومت کے مقابلہ میں بے ضرورت شورش سے ہمیشہ اجتناب
کیا گیا۔ اور حصول مقصد میں تخریبی ذرائع کے استعمال کو نفرت
کی نگاہ سے دیکھا جاتا رہا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ حکومت نے نفاذ
اصلاحات کی نسبت اپنے ارادہ کو معین کر کے مسلمانوں کے پیمانۂ شکیب
کو لبریز کر دیا۔ مصلحت وقت کے پیش نظر نواب صاحب نے حکومت
کے اس طرز عمل پر سخت تنقید اور نکتہ چینی شروع کی تاکہ مسلم طبقہ کے
رجحانات کا حکومت کو اندازہ ہو سکے۔ اصلاحات کے بارہ میں مجلس
اتحاد المسلمین کا رجحان یہ تھا کہ ملک کی فضاء ساز گار ہونے تک اصلاحات
کا نفاذ ملتوی رہے اہل ملک اس تحریک التوا کے دل سے حامی
تھے جس کا ثبوت امن و اتحاد کا وہ عظیم الشان جلسہ ہے جو مہاراجہ

مہاراجہ کشن پرشاد آنجہانی کی اپیل پر لبرٹی کمیٹی قوم پرستوں کی جانب
سے منعقد کیا گیا تھا جس میں نواب بہادر یار جنگ بہادر نے قرارداد
تشکر کے ساتھ تحریک التواء کو بطور اضافہ شریک کر کے پیش کی تھی جو چہار
کے مقابلہ میں کئی ہزار آراء کی موافقت سے منظور کر لی گئی۔ اس متفقہ آواز
کے باوجود حکومت کی روش بسلسلہ اعلان اصلاحات اور مسلم مطالبات کے
سلسلہ میں غیر اطمینان بخش رہی۔ اب نواب صاحب نے اپنے واجبی مطالبات
کو منوانے میں حکومت کے ارباب بست وکشاد سے گفتگو کا آغاز فرمایا
اور کامل تدبر کے ساتھ قیادت کا حق ادا فرمایا۔ لیکن حکومت کے اس
تصور کو بدلنے میں کامیابی حاصل نہ ہو سکی جو ہندو فتنوں کی ہنگامہ خیزی
نے پیدا کر دی تھی۔ رائے عامہ میں سخت ہیجان پیدا ہو گیا۔ اور اپنے
حقوق کی حفاظت کیلئے مجلس اتحاد المسلمین سے راست عمل کا مطالبہ
کیا جانے لگا۔ نواب بہادر یار جنگ بہادر نے متعدد موقعوں پر مسلمانوں
کے جذبات کو روکنے کی کوشش فرمائی۔ اور ادھر مسلم مطالبات کو حق بجانب
تسلیم کرنے میں حکومت کا تامل بدستور باقی رہا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلم
عوام کو اب تک جو بداعتمادی حکومت سے تھی اس کا رخ فطرتاً اتحاد المسلمین کی جانب
پھر گیا۔ عوام کی اس عارضی کیفیت سے فائدہ اٹھا کر اغیار نے مرکز گریز
تدابیر کا جال بچھا دیا۔ اور مسلمانوں کو چھوٹے چھوٹے مکاتب خیال میں
تبدیل کرنے کی کوشش کی گئی تاکہ سرے سے مجلس کی مرکزیت اور نواب
صاحب کی قیادت باقی نہ رہے۔ قائد کے امتحان کا اس سے زیادہ نازک

وقت کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ لیکن بحمداللہ کہ نواب صاحب کی دانشمندی
اور تدبر نے عبوری دور کی ساری مشکلوں کو حل کر دیا۔ اور مسلمانوں کی
مرکزیت پر کوئی آنچ نہ آسکی

ملک بے چینی اور سیاسی کشمکش کی عجیب و غریب کشمکش میں مبتلا تھا کہ
جس کا اندازہ کئے بغیر حکومت نے ۱۹۳۹ء کو بالآخر اصلاحات کا اعلان کر دیا۔
مسلم سنجیدہ حلقوں میں سخت شکایت پیدا ہو گئی کہ ملک کی تشویشناک
حالت میں سکون کا انتظار اور ملک کی خصوصی روایات کے اعتبار سے
اصلاحات کے نتائج اور ان کے شدید رد عمل کا اندازہ کئے بغیر حکومت
نے مخالف کشمکش کے آگے سپر ڈال دی جو اس کے دو صد سالہ وقار اور
تمکنت پر کاری ضرب ہے جس کو صرف وہی جماعت محسوس کر سکتی ہے
جس نے دولت آصفیہ کی تاسیس اور تعمیر میں اپنا خون پسینہ ایک کر دیا
تھا۔ مجلس اتحاد المسلمین نے اصلاحات کو اپنی ایک تجویز کے ذریعہ ملک
کیلئے عموماً اور مسلمانوں کیلئے خصوصاً قطعی غیر اطمینان بخش قرار دیا۔ جس تجویز
کی اشاعت نے مجلس کے ساتھ عامۃ المسلمین کے تعلق اعتماد کو گہرا کر دیا۔
کیونکہ یہ تجویز ان کے جذبات کی پوری پوری ترجمان تھی۔

تجاویز اصلاحات کے مضرات سے عوام کو واقف کرنے کے لئے قائد مجلس
نے مسلسل تین تقریریں فرمائیں جن میں کامل شرح و بسط کے ساتھ اصلاحات
کا تجزیہ کیا گیا۔ اس سلسلہ میں نواب صاحب نے حکومت پر جا اعتراضات فرمائے

ہیں ان کا اجمال یہ ہے کہ:۔

(۱) ہندو جماعت کی دھمکیوں سے مرعوب ہو کر حکومت نے اعلان اصلاحات میں بڑی عجلت سے کام لیا۔

(۲) ہندو جماعت نے شہری اور مذہبی آزادی کے سلسلہ میں اپنے چند مطالبات پیش کئے تھے لیکن حکومت نے اپنی فیاضی سے دستوری اصلاحات کا اعلان فرمایا جس کا نہ کوئی مطالبہ تھا اور نہ وقت۔

(۳) اس وقت حکومت کی موجودہ مشنری میں ترمیم و اصلاح کی ضرورت تھی نہ کہ دستور جدیدہ کے اعلان کی۔

(۴) حکومت ایک ایسی جماعت کو منانے کی کوشش کر رہی ہے جو صد فیصد حاصل کرنے کے بعد بھی اپنی وفاداری کی کوئی ضمانت نہیں دے سکتی اور دوسری طرف وہ ایک ایسی جماعت کو مایوس کرنے پر تلی ہوئی ہے جو اسلامی حکومت کے وقار اور تحفظ کے لئے رضاکارانہ اور سر بکف میدان میں آنے کے لئے ہمیشہ آمادہ رہی ہے اور آئندہ رہے گی۔

ان شکایات کے ساتھ ساتھ مسلم مطالبات کو منوانے میں اب مجلس کو راست عمل پر غور کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ لیکن مجلس اور قائد مجلس نے رشتۂ تدبر کو ہاتھ سے نہ دیا۔ حکومت کے نمائندوں سے نواب صاحب کی گفتگو کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ لیکن اول الذکر کی تاخیر پسندی سے دوری [illegible] ہر قدم پر نمایاں ہونے لگی جس سے تنگ آکر بالآخر مجلس نے ایک مہینہ کی مدت کا تعین کرکے حکومت سے یکسوئی کی خواہش کی اور عدم تکمیل

کی صورت میں راست عمل اختیار کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ گفتگو کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ مسلم مطالبات کے منوانے میں دلائل و براہین کی ساری قوت استعمال کی گئی۔ ثابت قدمی اور استقلال کا پورا مظاہرہ کیا گیا تا آنکہ حکومت کی جانب سے مجلس اتحاد المسلمین کو اس کے مطالبات کی نسبت مطمئن کر دیا گیا۔ قائد ملت نے حکومت سے تیقنات حاصل کرلیں اور اپنے یقین کی بنا پر مسلمانوں کو بھی مطمئن کر دیا۔

اعلان اصلاحات کے ما قبل و ما بعد میں مذکورہ بالا اہم خدمات کے باعث نواب صاحب کے اعتماد اور مقبولیت میں اضافہ ہو گیا۔

سیاسی کلمہ

نواب صاحب نے حیدر آباد کی جو کچھ خدمت انجام دی اس کا مقصد اسلامی حکومت کی بقاء اور استحکام تھا۔ وطنیت اور قومیت و شخصیت کا کوئی تصور آپ کے گوشہ قلب میں جگہ نہ پا سکا۔ مسلمانوں کو آپ نے من حیث القوم دکن کا بادشاہ تصور کیا اور اپنی تحریر و تقریر کے ذریعہ اس عقیدہ کی اشاعت فرمائی کہ آصفی تخت و تاج اور مسلم عوام کا تعلق روح اور جسم کا ہے ان میں سے ہر ایک کا وجود دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہے۔ آپ نے فرمایا کہ "حکومت آصفیہ کا اقتدار مسلم عوام میں مرکوز ہے اور اعلیحضرت بندگانعالی مسلمانوں کے سیاسی اور تمدنی اقتدار کے مظہر ہیں"۔ اس خیال کو ملت اسلامیہ دکن کے سیاسی کلمہ سے تعبیر کیا گیا جو آج

ہر مسلمان کا محکم عقیدہ ہے۔

ریاستی مسلم لیگ

نواب صاحب دکن کی اسلامی مملکت کے خادم اور قائد کی حیثیت سے سارے ہندوستان میں متعارف ہو گئے اور آپ کی شہرت خطیب اور قائد کی حیثیت سے سارے اقطاع ہند میں پھیل گئی۔ مسلم لیگ کے سالانہ اجلاسوں میں شرکت کی وجہ سے مسلم زعماء و مشاہیر ہند کے ممتاز حلقوں میں آپ روشناس ہو گئے۔

برطانوی ہند کے مختلف شہروں اور مختلف ریاستوں میں آپ کو مسلمانوں کی سیاسی اور معاشی حالات کے مطالعہ کا موقع ملا۔ سب سے پہلے آپ نے محسوس کیا کہ مسلم لیگ کی عاملانہ سرگرمیوں نے برطانوی ہند کے مسلمانوں کو اگرچہ اقتضائے وقت کے مطابق بیدار کر دیا ہے لیکن ریاستی مسلمانوں کے درد کا کوئی علاج ابتک تجویز نہیں کیا گیا۔ قائد اعظم مسٹر محمد علی جناح سے تفصیلی گفتگو اور تائید کے بعد آپ نے بجا طور پر تہیہ کیا کہ جس طرح حیدر آباد دوسری حیثیتوں میں ریاست ہائے ہند کی سب سے بڑی سلطنت ہے اسی طرح مسلمانان ریاست ہائے ہند کی قیادت کا حق بھی اس کو حاصل ہونا چاہئے چنانچہ آپ نے ریاستی مسلم لیگ کے قیام کا اعلان فرمایا۔ ریاست کے مظلوم مسلمانوں نے محسوس کیا کہ کوئی دوسرا نواب صاحب سے بہتر ان کی قیادت کا فرض انجام نہیں دے سکتا۔

جوق جوق لیگ کے جھنڈے تلے لوگ جمع ہو گئے۔ ریاستی لیگ کا پہلا شاندار اجلاس مسلم لیگ لاہور کے پنڈال میں نواب صاحب کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں کم و بیش ہندوستان کی ساری ریاستوں کے نمائندوں نے شرکت کی لیگ کا دستور منظور کیا گیا۔ اور نواب بہادر یار جنگ بہادر کو بالاتفاق صدر منتخب کیا گیا۔

نواب صاحب نے بعض اہم ریاستوں مثلاً بھوپال، گوالیار، الور، پالن پور، بڑودہ، جے پور وغیرہ کا دورہ فرمایا جہاں کے مسلمانوں کو مقامی حکومت سے نفاذ اصلاحات کے سلسلہ میں شکایات پیدا ہو گئی تھیں۔ آپ نے ان مقامات کے لیگی نظام کو مستحکم بنیادوں پر قائم فرمایا۔ مقامی مشاہیر کے باہمی اختلافات کو دور کر کے لیگی مقاصد کی پیش رفت کیلئے ان کو ایک مرکز پر جمع کر دیا۔ اور ان میں وہ صلاحیت پیدا کر دی کہ عمل سے لیگی لائحہ عمل کی تکمیل کر سکیں تاکہ ان کی تنظیمی قوت خود ان کی کامیابی کی ضامن ہو۔

قائد ملت کا اہم تاریخی اقدام

یورپ میں جنگ نے بڑی شدید صورت اختیار کر لی ہے ہندوستان میں اس کے رد عمل کے طور پر مسلم لیگ اور کانگریس نے حکومت برطانیہ سے ہندوستان کی آئندہ قسمت کا فیصلہ کرا لیا ہے۔ برطانیہ کے حکومت ہند نے اختتام جنگ کے مابعد ہندوستان کو مقبوضاتی مرتبہ عطا

کا غیر مبہم وعدہ کرلیا ہے۔ اس دعوے نے گویا تمہارے ہند کے مستقبل کو معلق کر دیا جو ہندوستان کا ارضی رقبہ ہونے کے باوجود سیاسی حیثیت سے جداگانہ وحدتیں بھی جاتی ہیں معاہدات کی روشنی میں حیدرآباد کی سیاسی حیثیت کی نسبت بھی حکومت ہند کے اعلان کی محسوس کی جانے لگی۔ کیونکہ ہندوستان کو مقبوضاتی مرتبہ ملنے کے بعد مملکت حیدرآباد کا اقتدار اعلیٰ اور اس کے مفوضہ علاقے دوبارہ اسی مملکت کو واپس ہونے چاہئیں جو حلیفانہ معاہدات کے تحت تاج برطانیہ کے حوالے کئے گئے تھے۔ سب سے پہلے مجلس اتحاد المسلمین کے پلیٹ فارم سے نواب بہادر یار جنگ بہادر نے بمقام دارالسلام اپنے معرکتہ الآرا خطبہ صدارت میں اس مسئلہ پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے اور مولوی ابوالحسن سید علی صاحب نے اسی معنیٰ کی ایک قرارداد پیش کی جو بالاتفاق ایک خفیف سی ترمیم کے ساتھ منظور ہوئی۔ اس اہم سوال کے علاوہ نواب صاحب کے خطبہ صدارت کا بہت بڑا حصہ حیدرآباد کی آئینی حیثیت کے اہم مسئلہ پر مشتمل تھا جس کے منجملہ اعلیٰحضرت بندگانعالی کے اقتدار اور جلالتہ الملک کے خطاب کے مسائل بھی پیش کئے گئے تھے نواب صاحب نے مضبوط اور منطقی دلائل کے ساتھ اپنے خطبہ میں ثابت فرمایا کہ اعلیٰحضرت بندگانعالی اس لقب کو اختیار کرنے میں کسی کی اجازت یا منظوری کے پابند نہیں آپ نے جلسہ کے ہزار ہا سامعین سے اپیل کی کہ آج سے اعلیٰحضرت قدر قدرت کو جلالتہ الملک کے لقب سے یاد کریں۔

خطبہ صدارت نواب صاحب کی فکر و تدبر، قوت ایقان اور جذبۂ عمل کا آئینہ تھا۔ جس نے حیدرآباد کے عوام میں بصیرت اور جوش عمل پیدا کر دیا۔ حکومتی حلقہ میں جنبش ہونے لگی۔ اغیار کی صفوں میں اضطراب نمایاں ہوا۔ اور حیدرآباد اور رزیڈنسی سے شروع کرکے دہلی اور شملہ کے دفاتر سیاسیات میں ہل چل مچ گئی اصلاحات کی کشمکش کے بعد جو نواب صاحب کے الفاظ میں مسلمانان دکن کی راہ عمل کا سنگ میل تھا مملکت آصفیہ کی آئینی حیثیت کا تحفظ اور سیاسی اقتدار کے حصول کا عزم اپنی نوعیت کے لحاظ سے نہایت اہم ہو گیا جس کو مجلس اب اپنا نصب العین قرار دے چکی ہے۔

مجلس اتحاد المسلمین کا پہلا دستوری سال

سنہ ۱۹۴۰ء میں نواب صاحب مجلس کے دستور جدید کے ماتحت بلا اختلاف صدر منتخب ہوئے۔ اور آپ نے حیدرآباد کے اقتدار اعلیٰ، مفوضہ علاقوں کے استرداد کے بارہ میں حکومت ہند سے وعدہ کی کارروائی شروع کر دی۔ مقامی حکومت سے آپ کی گفتگو کا شروع ہوا۔ مسٹر گڈنی رزیڈنٹ حیدرآباد سے ایک خصوصی ملاقات میں آپ نے وضاحت فرمائی کہ حیدرآباد بہ حیثیت حلیف برطانیہ نہ صرف اپنے مطالبات میں حق بجانب ہے بلکہ اس کی حلیفانہ خدمات متقاضی ہیں کہ دولت برطانیہ اپنے یار وفادار کی حق شناسی میں تامل نہ کرے

ابتدائی کوشش کے بعد مجلس کی جانب سے صدر اعظم باب حکومت کو خدمت
میں ایک جامع یادداشت پیش کی گئی جس میں حیدرآباد کے مطالبات
اور حقوق کا ذکر کیا گیا اور حکومت سے درخواست کی گئی کہ ان کے
حصول میں فوری کارروائی کا آغاز کرے۔ اس یادداشت کی حمایت
میں نواب صاحب کی اپیل پر ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں بتاریخ
۲۳ رمضان المبارک ۱۳۵۹ھ یوم حیدرآباد منایا گیا۔ حیدرآباد میں بھی
بمقام مکہ مسجد شایانِ شان جلسہ منعقد ہوا اور نواب صاحب نے اپنی معرکۃ الآرا
تقریر کی جو اس مجموعہ تقاریر میں شامل ہے۔ مسٹر گاندھی، پٹابھی سیتا
رامیا اور پنڈت جواہرلال نہرو کے اعتراضات کا دندان شکن جواب
ادا کیا۔ مفوضہ علاقوں کے اتحاد کی اس کارروائی سے اخبار کی [illegible]
میں اضافہ ہونے لگا۔ کانفرنس اور جلسوں میں [illegible] کے ذریعہ [illegible]
بہادر کی خدمت میں درخواست کی گئی کہ حیدرآباد کے مطالبات
پر توجہ کی جائے۔ اس مخالفت نے نواب صاحب کے عزم و ایقان
میں اور قوت پیدا کر دی۔ آپ نے حکومت کو مسلسل توجہ دلائی کہ آبادیٔ
دکن کے مسئلہ میں موثر کارروائی کا آغاز کیا جائے۔ حکومت نے جواب
[illegible] پہلے اور آغاز جنگ کے بعد بھی وہ تمام امور جو یادداشت
میں مذکور ہیں حکومت کے پیش نظر رہے ہیں اور رہیں گے۔"

حکومت کی جانب سے اس صریح اطمینان کے بعد نواب صاحب
نے مفوضہ علاقہ جات کے دورہ کا ارادہ فرمایا تا کہ حیدرآباد کے مطالبات

کی نسبت ان علاقہ جات کے باشندوں کے خیالات معلوم کئے جائیں اور
حالات کا مطالعہ کیا جائے۔ چنانچہ اگست سنہ ۱۹۴۰ء میں بجواڑہ
مدراس، مچھلی بندر، مرتضیٰ نگر، کڑپہ، کرنول، وغیرہ کے دورے فرمائے
ولولہ انگیز تقریریں کیں۔ مخالف اور موافق جماعتوں سے تبادلہ خیالات
فرمایا۔ اور اپنے مطالبات کے ثمرات پر روشنی ڈالی سوائے ان متعصب
باشندوں کے جو کانگریس کے ایجنٹ کی حیثیت سے کام کر رہے
تھے، عام طور پر ان مقامات کی جماعتوں نے اپنے مہمان کا شایان شان
خیر مقدم کیا۔ جلوس ترتیب دیئے اور حیدرآباد کے مطالبات کی صداقت
کو تسلیم کیا۔ یہاں اس علاقہ کا ذکر باعث دلچسپی اور فال نیک تصور ہوگا
کہ جب نواب صاحب ان علاقہ جات میں داخل ہوئے تو عام طور پر مشہور
کیا گیا کہ نواب صاحب مملکت آصفیہ کی جانب سے مفوضہ علاقوں کا
جائزہ حاصل کرنے کے لئے تشریف لائے ہیں۔ حیدرآباد واپس ہو کر
نواب صاحب نے اتحاد المسلمین حلقہ د ب، کی کانفرنس کا افتتاح فرماتے
ہوئے بڑی اہم تقریر ارشاد فرمائی جو ان مجموعہ تقاریر میں شامل ہے
جس میں نواب صاحب نے حیدرآباد کی عسکری قوت اور اس کے
مسائل آزادی پر تفصیلی بحث فرمائی۔

اس دوران میں حکومت کی جانب سے مجلس کی پیش کردہ
یادداشت پر کوئی توجہ ہوئی اور نہ مستقبل قریب میں متوجہ ہونے کا کوئی قرینہ
پایا گیا۔ مجلس نے حکومت کے اس طرز عمل پر سخت نکتہ چینی کی۔ اور ایک

قرار داد کے ذریعہ موجودہ حکومت میں فوری تبدیلی کا مطالبہ کیا گیا کیونکہ
کیونکہ مجلس کی پیش کردہ یادداشت پر توجہ نہ کرنیکا لازمی اور منطقی نتیجہ
بھی ہے کہ وزراء کابینہ کو ملت کے سیاسی اقتدار کے تحفظ اور اس
کی آئینی حیثیت کے حصول کی کوئی فکر نہیں جو حیدرآباد جیسی مملکت کی
فلاح کے لئے ناگزیر ہے۔

ملک کے گوشہ گوشہ میں بلا امتیاز فرقہ و ملت اس قرار داد کی حمایت
میں آوازیں بلند ہوئیں اور ثابت ہو گیا کہ مجلس کی آواز صرف سترہ لاکھ مسلمانوں
کی نہیں بلکہ سارے ملک کی متفقہ آواز ہے۔

عوام کی توجہات اور مجلس اتحاد المسلمین کے نصب العین سے ان کو
قریب تر کرنے کے لئے نواب صاحب نے تشریح یادداشت کے عنوان
سے بمقام تھیٹر باغ عامہ دو تقریریں فرمائیں جلاس مجموعہ کی اہم تقریروں
میں سے ہیں۔ ان تقاریر میں آپ نے گذشتہ اور موجودہ جنگ میں
حیدرآباد کی ان بے نظیر اعانتوں کا ذکر فرمایا جو آڑے وقت میں حکومت
برطانیہ کی شامل حال رہیں۔ موجودہ جنگ کے موقع پر حکومت برطانیہ
کی اعانت کے بارہ میں حکومت ہند کو جو شبہات پیدا ہو گئے تھے۔
ان کو دور فرمایا اور وعدہ اعانت کیا تھا حیدرآباد کے جائز مطالبات
کی توضیح فرمائی کہ حیدرآباد ہرگز گوارا نہیں کرتا کہ جنگ کی وجہ سے حکومت
برطانیہ کی پریشانی سے فائدہ اٹھایا جائے اسلئے مجلس نے اپنی یادداشت
میں صرف اس امر کا مطالبہ کیا ہے کہ حیدرآباد کو مطمئن کیا جائے کہ مرحمانی

مرتبہ کی نسبت حکومت ہند نے جو مواعید کئے ہیں ان کے [illegible]
حیدرآباد کو دستخط شدہ علاقے مسترد کر دیے جائیں گے جب [illegible]
~~خود ان علاقوں کو دستبردار ہو جائے۔~~

مطالبات مجلس کی اس توضیح کے ساتھ ساتھ اہل ملک کے جذبات
کی ترجمانی فرماتے ہوئے حکومت حیدرآباد پر بے لاگ تنقید فرمائی کہ ملک
کے ان متفقہ مطالبات کے حصول میں حکومت نے کوئی توجہ نہیں کی۔
اور اپنے ہزارہا سامعین کو آگاہ فرما دیا کہ اسلامی سلطنت کی بقاء استحکام اور
توسیع کی مہم سر کرنے کے لئے وہ ہر وقت تیار رہیں اپنی طاقت، دولت اور
جان عزیز تک سے بھی دریغ نہ کریں۔ سامعین نے متفق اللفظ وعدہ
کیا کہ وہ اپنے قائد کے ایک اشارہ پر بڑے سے بڑے ایثار کیلئے آمادہ ہیں
حیدرآباد کے ان اہم مسائل میں نواب صاحب کی مصروفیت
کچھ دن کے لئے ملتوی ہو گئی کیونکہ قائداعظم مسٹر محمد علی جناح کے ایما
سے پاکستان وفد کے ساتھ آپ کو بجانب سرحد روانہ ہونا پڑا۔

حالات زندگی پر ایک نظر

خوش باش اور دولتمند گھرانوں میں جن بچوں نے آنکھیں کھولیں
زیر سایہ دولت جنہوں نے پرورش پائی۔ حیدرآباد کی فضا نے ان کو [illegible]
بزم تو بنا دیا۔ لیکن میدانِ رزم سے ان کا کوئی تعلق نہ رہا۔ مسلمانوں کی
حاکمانہ حیثیت کے باعث زندگی کے تکلفات روز بروز ترقی پذیر ہوتے

تا آنکہ صاحبان مقدرت عیش کوشی میں مبتلا ہو گئے اور اس طبقے سے
علم و فن کے محاسن بھی مفقود ہوتے گئے۔ لیکن نصیب یاور جنگ ثابت
جیسے امیر کو خدا نے ایسا فرزند عطا کیا جس نے اپنے کارناموں سے حیدرآباد
کی آیندہ تاریخ میں نہ صرف اپنے خاندان، بلکہ شہر [illegible] کیلئے ایک اہم
جگہ پیدا کر دی۔ نواب بہادر یار جنگ بہادر کی شخصیت کی ہمہ گیری میں
کسی کو کلام ہو سکتا ہے کہ آپ ممتاز جاگیردار، ذی مرتبت شہری، باکمال
سپاہی، سحر بیان مقرر، اثر آفرین انشا پرداز اور دکن کے مقبول عام قائد رہے
[illegible]۔ زمانہ طالب علمی سے نواب صاحبؒ اپنے بیباکانہ صفات کی وجہ
سے ہمعصروں میں امام اور خطیب مانے جاتے رہتے، آپ کی طبیعت میں
ولولہ و جوش، اور تفکر و تدبر کا حیرتناک امتزاج پایا جاتا ہے۔ نسلی سپاہیانہ
اوصاف کے ساتھ ساتھ اعلیٰ اوصاف و کردار آپ کی خصوصیت ہے۔
باکمال بزرگوں اور ممتاز اساتذہ کی صحبت زمانہ طفولیت ہی سے آپ
کو حاصل رہی۔ گفتگو میں اخلاق کی حلاوت و شیرینی آنکھوں میں مروت
کا سحر، اور شخصی وجاہت کے تاثر کا یہ عالم ہے کہ ہر اجنبی ایک دفعہ ملکر
ہمیشہ کے لئے آپ کا گرویدہ ہو جاتا ہے گفتگو فرماتے ہیں تو اس کا ربط
تسلسل، اور عالمانہ انداز سے تقریر کا دھوکا ہوتا ہے اور سامع اس قدر
مسحور ہو جاتا ہے کہ گھنٹوں آپ کی صحبت میں بیٹھ کر بھی نہیں تھکتا۔ خراب سبب
بھی، تدبیر میں، تدبر میں، علم میں، تجربہ میں، تقریر میں حیدرآباد کے
محدود رقبہ میں نہیں بلکہ ہندوستان کے طول و عرض میں اپنا لوہا منوایا

کسی مسئلہ پر طریقہ استدلال اس قدر دلچسپ اور طرز تفہیم ایسا پسندیدہ
کہ مخاطب اپنے قلب میں انشراح اور بصیرت کے علاوہ محسوس کرنے
لگے کہ ایک صاحب تدبیر کی ہم کلامی ہے۔ سخاوت، فیاضی، مہمان نوازی اور
دردمندی جیسی صفات آپ کو ورثہ میں ملی تھیں۔ بیسیوں بے روزگاروں
کو روزگار سے لگایا۔ ان گنت بے سہارا اور غیر مستطیع طلباء کی دامے
درمے، مدد فرمائی اور کتنی ہی بیواؤں کی دستگیری کی۔ حاجتمندوں
کیساتھ عملی ہمدردی کی یہ وہ ممتاز صفات تھیں جس نے بہت جلد
آپ کو ملک میں ہر دلعزیز بنا دیا اور ہم چشموں کی صف میں امتیازی [illegible]
بنے اور اتنے بڑھے کہ آج حیدرآباد میں ہر مبتدا کی خبر، ہر ابتدا کی
انتہا، ہر ضمیر کا مرجع ایک ذات اور ہزارہا کی عزت اور ہر ایک کیلئے
قبلۂ امید قرار پائے۔

جوں جوں خدمت خلق کا موقع ملا، خانگی مصروفیات سے
کنارہ کشی اختیار کی اجتماعی اور قومی معاملات کیلئے زندگی وقف کر دی۔
فجر کی نماز کے بعد درس قرآن پاک کے لئے محلہ کی مسجد میں بیٹھ گئے، طلوع
آفتاب کے بعد تک سلسلۂ درس جاری رہا۔ ناشتہ سے فارغ ہو کر مجلس
اتحاد المسلمین اور عام قومی مسائل ہیں صبح سے دوپہر کر دی۔ ایک
بجے زنانخانہ میں داخل ہوے۔ کھانے اور نماز ظہر کے بعد کچھ دیر آرام
کیا۔ اور ۳ ½ بجے سے عام ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ ڈیوڑھی پر
امیر غریب، اعلیٰ ادنیٰ سب جمع ہیں ایک ایک کو فرداً فرداً ملاقات کا

موقع دے رہے ہیں۔ سلام میں تقدیم عادتاً اصولِ محفل سروقد
استادہ ہو کر شناسا ہو یا اجنبی ہر ایک کا خندہ پیشانی سے خیر مقدم
فرما رہے ہیں۔ کسی نے اجتماعی مسائل پر بحث کی کسی نے اپنے محلہ کی
تنظیمی معاملات میں رہنمائی حاصل کی۔ کسی نے سفارشی رقعے لکھوائے
کسی نے اپنی مظلومیت کا اظہار کیا۔ کسی نے چندہ مانگا۔ نمائندگان
جرائد نے بیان طلب کیا۔ غرض کہ ۵ اور ۵½ بجے تک اسی ہنگامے
سے فراغت حاصل کر کے نماز عصر کے بعد خصوصی ملاقات کیلئے وقت
معین فرمایا۔ اگر اہم اور موقتی مسائل ہیں تو بلا تعین اوقات مصروفیوں
کا سلسلہ بڑی رات گئے تک جاری ہے ہر ہفتہ بعد مغرب ایک عرصہ
تک پابندی کے ساتھ تاریخ اسلام کا درس دیا کرتے تھے۔ گھر اور جاگیر
کے انتظامات کا سارا بوجھ بیگم صاحبہ کی ذات پر۔ ملک اور اہل ملک
پر جتنا احسان نواب صاحب کا ہے بلاشبہ اس سے کہیں زیادہ اس
نیک بخت اور فرشتہ خصال خاتون کا ہے جنہوں نے نواب صاحب
کو خدمت خلق کیلئے گھر اور جاگیر کے انتظامات سے بے نیاز کر دیا ورنہ
نہ معلوم نواب صاحب کی قومی مصروفیات میں کس درجہ حارج ہوتے۔
بیگم صاحبہ نے گھر کی مصروف زندگی کے باوجود قائد ملت کے ساتھ
رفاقت کا حق ادا کیا۔ آپ نے ملت اسلامیہ کے مفاد کی خاطر طبقہ نسواں کی بڑی خدمات
انجام دیں۔ اپنے طبقہ میں ہمت کے مسائل جدیدہ کی نشر و اشاعت فرمائی اور تقریر و تحریر
کے ذریعہ خواتین میں شعور کی بیداری کا اہم فرض انجام دیا جس زمانہ میں مجلس اتحاد المسلمین [illegible]

کی اہلیہ کی نواب صاحب کے گراں قدر رقمی عطیات کے علاوہ بیگم صاحبہ
نے اپنا زیور تک قوم کے نذر کر دیا۔ اور اپنی ڈیوڑھی کا ایک ایک گوشہ
قومی ضروریات کیلئے پیش کر دیا۔]

اخلاص و محبت نواب صاحب کی بہت بڑی امتیازی خصوصیت
ہے جس طرح خود بندہ اخلاص و محبت ہیں اوروں سے بھی اسی درجہ
میں اخلاص کی توقع فرماتے ہیں۔ اکثر دفعہ نواب صاحب کی یہ توقع
پوری نہ ہوئی اور آپ کو سخت مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کے باوجود
آپ کی پیشانی پر شکن تک نہ آئی خوددار رہی۔ اور نہ مایوس کرنے والوں سے
کبھی آپ نے اظہار رنج و ملال فرمایا۔

آپ کی روز افزوں مقبولیت کے باعث بعض حلقوں میں
جذبۂ رقابت پیدا ہو گیا۔ آپ کی قائدانہ حیثیت کو متاثر کرنے کی منظم
سازش ہونے لگی۔ لیکن آپ کی اخلاص مندی اور جذبۂ عمل میں
ذرہ برابر بھی فرق نہ آنے پایا۔ البتہ جب کبھی آپ نے محسوس کیا
کہ محض آپ کی ذات کی وجہ بنا کر ملت اسلامیہ کی مرکزیت کو صدمہ پہنچایا
جا رہا ہے تو آپ نے علی الاعلان منصب قیادت سے دست بردار
ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ لیکن ملت ہی کے اصرار پر ہر مرتبہ آپ کی قیادت
مسلم تر ہوتی گئی۔ اس کامیابی کی بڑی وجہ یہی ہے کہ نواب صاحب
کا جذبۂ عمل نہ کسی ستائش کا محتاج تھا اور نہ آپ کو کسی صلہ کی تمنا تھی
آپ نے قوم و ملت کی جو کچھ خدمت کی وہ کسی غرض کی پابند نہ تھی

قوم نے اگر آپ کو قائد ملت تسلیم کیا ہے تو فی الحقیقت یہ اس کی حق شناسی ہے ورنہ یہ امر روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ نواب صاحب کا جذبۂ عمل صلہ و ستائش سے بے نیاز ہے۔

تدبر کی سنجیدگی اور وسیع تجربہ نے آپ پر ملت اسلامیہ کی مرکزیت کی برکات واضح کر دیں۔ اور بہت جلد آپ نے محسوس کیا کہ محض ضمنی عقائد کی بنا پر جن کی دین میں کوئی اہمیت نہیں ہے ملت اسلامی کو گروہ در گروہ اور فرقہ فرقہ میں منقسم کر دینا نہ تو دینداری ہے اور نہ دانشمندی۔ عقیدہ اور عمل کی یہ استواری نواب صاحب کی زندگی میں صاف نظر آتی ہے۔ جس کے لئے دلیل کی کوئی حاجت نہیں ہے۔
مجلس اتحاد المسلمین کی تشکیل اسی اساس پر عمل میں آئی۔ اور اسی اصول کو پیش نظر رکھکر مسلمانان دکن کو ایک مرکز پر جمع کر دیا گیا اور مسلمانوں کے باہمی رشتۂ مودت و اخوت کو جوڑنے میں مکان و زمان کی قیود توڑ دی گئیں۔ ہندوستانی اور حیدرآبادی کے امتیازات مٹا دیئے گئے اور رفتہ رفتہ ہندوستان کی وسعتیں بھی آپ کے جذبۂ عمل کی جولانگاہ بنیں۔ جو آپ کی قیادت کا سب سے بڑا کارنامہ ہے۔ آپ کو اسی مہتم بالشان خصوصیت کا حامل پاکر مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ لاہور میں بسلسلۂ تعارف ہزارہا مسلمانوں کے آگے قائد اعظم مسٹر محمد علی جناح نے آپ کی نسبت ارشاد فرمایا تھا "نواب بہادر یار جنگ بہادر جنھوں نے مسلمانان حیدرآباد کی حیرتناک طریقہ پر تنظیم کی ہے۔ مسلم لیگ

اجلاس لکھنؤ سے میرے معین و رہبر رہے ہیں۔"

نواب صاحب کی سب سے بڑی خصوصیت جس نے آپ کو ہر دلعزیز قائد ثابت کیا۔ وہ آپ کے عزم کا ثبات اور استقلال ہے۔ بڑی سے بڑی مصیبت کے موقعہ پر بھی آپ کبھی ہراسان نہ ہوئے۔ فرقہ وارانہ جھگڑوں کے موقعہ پر ہر خطرہ کا آپ نے مقابلہ فرمایا۔ اور خدمت عوام کے سلسلہ میں بلا امتیاز فرقہ ہر شخص کی حفاظت اور سلامتی کی آپ نے کوشش فرمائی۔

اصلاحات کی مخالفت سے پہلے اور اس کے بعد نواب صاحب پر ترہیب کے متعدد دور گزرے۔ حتی کہ آپ کی گرفتاری کی افواہیں بھی حد کو پہنچ گئیں۔ لیکن اس قسم کی ہر چیز کو آپ نے تبسم کے ساتھ سماعت فرمایا اور کسی آن بھی تردد کی علامات آپ کے چہرے سے ظاہر نہ ہوئیں۔

جس وقت سے آزادی دکن کی مہم آغاز ہوئی ہے نواب صاحب کو گوناگوں مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن حق کی حمایت میں [illegible] وقت کے پڑنے میں آپ نے کبھی اپنے اصول اور نصب العین کو [illegible] کی کوشش نہ کی۔

مارچ سنہ ۱۹۴۰ء میں جب خاکسار تحریک پر برا وقت آن پڑا اور حدود پنجاب میں تحریک کے ذمہ دار عہدہ داروں کی دار و گیر شروع ہوئی تو نواب صاحب اس وقت صوبہ سرحد و کشمیر کے حاکم اعلیٰ نامزد ہو چکے تھے۔ مسلم لیگ کے اجلاس میں شرکت کی غرض سے آپ کے لاہور پہنچتے ہی یقین ہو گیا تھا کہ خاکسار تحریک کے ایک ممتاز عہدہ دار کی حیثیت میں آپ گرفتار کر لئے جائیں

ایسے نازک وقت میں آپ کے مخلص بہی خواہوں اور معتمد علیہ مشیروں نے رائے دی کہ آپ یا تو اپنے عہدہ سے مستعفی ہو جائیں یا میرٹھ کے اجلاس میں شرکت کا ارادہ ترک فرمادیں کیونکہ اگر ان بیرونی مسائل کی الجھنوں میں نواب صاحب گرفتار ہو جائیں تو نہ معلوم پھر کتنے عرصہ کیلئے حیدرآباد آپ کی خدمات سے محروم ہو جائے۔ لیکن نواب صاحب نے ایسے وقت میں جبکہ تحریک کو ایثار پسند افراد کی ضرورت ہو مستعفی ہونیکے خیال کو پسند نہ فرمایا۔ اور علانیہ خطرہ کو سامنے دیکھکر لاہور کا عزم کرلیا پھر سارے قضیہ کو اپنے ہاتھ میں لیکر بڑی خوبی کے ساتھ میرٹھ کانفرنس کے انعقاد تک جانباز خاکساروں پر قابو پالیا۔

نواب صاحب میں خدمت کا جذبہ کبھی نام و نمود کی خاطر سے پیدا نہیں ہوا آپنے یہ راہ اس کے عواقب اور نتائج کو سامنے رکھکر اختیار فرمائی یہی وجہ ہے کہ آپ کا ضمیر مطمئن اور قلب حزن و ملال سے ہمیشہ پاک رہتا ہے۔ "الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون"

نواب صاحب اپنی ان ساری صفات کے ساتھ بذلہ گو، لطیفہ سنج اور شاعر بھی ہیں۔ احباب اور مخلصوں کی صحبت میں آپ ہی کی بذلہ گوئی محفل کی دلچسپی ہوتی ہے۔ آپ کے اشعار عموماً فی البدیہہ ہوتے ہیں اور حیرتناک تیزی کیساتھ آپ شعر کہنے پر قادر ہیں۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ انگریزی نوشت و خواند کی صلاحیت کیساتھ عربی اور فارسی زبان میں آپ کو گفتگو کی محیر العقول دستگاہ حاصل ہے۔ بلاد اسلامیہ کے سفر

کے دوران میں مصر اور حجاز میں مقامی اکابر سے عربی میں اور ایران و افغانستان کے وزراء اور غازی نادر شاہ سے فارسی میں گفتگو فرمائی۔ جس پر غازی مرحوم نے تعجباً اپنے مصاحبین سے مخاطب ہو کر فرمایا تھا۔ "نواب صاحب در زبان فارسی خیلے خوب گپ[1] می زنند"

علامہ حضرت اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شعر میں انسان صحیح کی صفات یوں بیان فرمائی ہیں ؎

چہ باید مرد را طبع بلندے، مشرب نابے
دلے گرمے، نگاہے پاک بینے، جانِ بیتابے

نواب صاحب کی شخصیت کی ہمہ گیری بلاشبہ اسی شعر کی آرزوؤں اور تمناؤں کی صحیح تعبیر ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کی ذات ملت کی گرانمایہ متاع ہے۔ خدا آپ کو خدمت اسلام کے لئے تا دیر سلامت رکھے آمین۔

---

[1] گپ زدن۔ بامحاورہ گفتگو کرنا (اہل زبان کا محاورہ ہے)